© rasailojaraid.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فقہی اختلافات کی حقیقت

مولانا محمد سعید الرحمٰن علوی

"الفقہ" جو ہمارے یہاں ایک مقدس فن کے طور پر معروف ہے اس کا لغت میں معنی "کسی شئ کو جاننا اور سمجھنا ہے۔" اور اہل لغت نے احکام شرعیہ کا علم ادلۂ تفصیلیہ کے ساتھ" نیز" حذاقت و زیر کی بھی اس کا معنی کیا ہے[1] فقیہ جس کی جمع فقہاء آتی ہے، اس شخص کو کہا جاتا ہے جسے اللہ رب العزت دینی احکامات سے متعلق حذاقت و زیرکی عطا فرمادے سورۂ توبہ کی آیت ۱۲۲ میں فقہ و تفقہ کی فضیلت اس طرح بیان کی گئی۔

" اور مومنوں کو یہ مناسب نہ تھا کہ وہ سب ہی کوچ کر لیتے، سو کیوں نہ کوچ کیا ان میں ہر فرقہ سے ایک طائفہ اور گروہ نے تاکہ وہ دین میں تفقہ پیدا کرلیں اور اپنی قوم کو ڈرائیں۔ جب وہ ان کی طرف لوٹیں تاکہ وہ بچ جائیں۔"

اس کے بالمقابل کافروں کی قباحت کا ذکر کرتے ہوئے قرآن نے کہا،

بے شک وہ ایسی قوم ہے جو سمجھتی نہیں[2]

---

[1] مصباح اللغات ۶۴۲

[2] الانفال: ۶۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہ سے تہی دست اور فقاہت سے محروم لوگوں کے متعلق ہے۔

سو کیا ہو چکا ہے اس قوم کو جو بات سمجھنے کے قریب نہیں لگتی [۱]

احادیث میں غور کریں تو بہت سی روایات اس حوالہ سے سامنے آتی ہیں۔ مثلاً

حضرت معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت ہے۔

"جس شخص کے بارے میں اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو دین کی سمجھ اور فقاہت عطا فرما دیتا ہے بخاری[۲] اور اس سے ملتے جلتے الفاظ مسلم[۳] اور دارمی مطبوعہ شام میں بھی ہیں۔"

بالکل انہی الفاظ کے ساتھ یہ روایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے مسند دارمی[۴] میں منقول ہے۔

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

اس حدیث میں واضح طور پر علماء کی فضیلت باقی تمام طبقات افراد پر اور تفقہ فی الدین کی فضیلت تمام علوم پر بیان کی گئی۔ [۵]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم نے فرمایا:

جو ان میں سے جاہلیت میں بہتر تھے وہ اسلام میں بھی بہتر رہیں گے بشرطیکہ وہ فقہ سے موصوف و متصف ہو جائیں۔ [۶]

---

[۱] النساء: ۷۸

[۲] بخاری ۱۶ ج ۱

[۳] مسلم ۴۴۱ ج ۲ اور دارمی ۷۳ ج ۱

[۴] مسند دارمی ۲۹۷ ج ۲

[۵] فتح الباری ۱۴۳ ج ۱

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے امام بخاری رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح[1] میں اور امام مسلم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صحیح[2] میں ایک روایت نقل کی جس میں حضور نبی مکرم علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے جو علم و ہدایت دیکر مجھے دنیا میں بھیجا اس کی مثال زوردار بارش کی ہے آگے اس بارش سے زمین کس طرح سیراب ہوتی اور اس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کیسے فائدہ اٹھاتی ہے اسکے لیئے تین باتوں کا ذکر فرمایا بعض قطعات ارضی تو ایسے ہیں جو پانی جذب کرتے ہیں اور پھر ان سے انواع و اقسام کی سبزیاں اور اناج وغیرہ اُگتے ہیں بعض حصّے ایسے ہیں۔ جن کی سختی کے سبب پانی جذب نہیں ہوتا ایک جگہ جمع ہو جاتا ہے جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور بعض حصے ایسے ہیں جو بالکل چٹیل ہیں نہ ان میں پانی کو جذب کرنے کی صلاحیت ہے نہ روکنے کی۔ اس کے بعد ارشاد نبوی ہے۔

"پس یہ مثال اس شخص کی ہے جس نے اللہ تعالیٰ کے دین میں فقاہت حاصل کی اور اللہ تعالیٰ نے اس کو اس چیز سے نفع عطا فرمایا جو چیز دے کر اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے، اس نے اس کو سیکھا اور سکھلایا اور مثال ہے اس کی جس نے ہدایت خداوندی کی طرف جس کو میں لے کر آیا ہوں مطلق سر اٹھا کر دیکھا ہی نہیں"

اس حدیث میں چٹیل زمین سے واضح طور پر مراد وہ عام لوگ ہیں جن کو نہ محدث ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور نہ ہی فقیہ ہونے کا شرف۔ دوسری مثال اس زمین کی ہے جس نے پانی جمع کر لیا اس سے مراد محدثین کرام ہیں جنہوں نے جناب رسالت مآب

---

[1] صحیح :

[2] صحیح :

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

علیہ السلام کے ارشادات و فرامین کو محفوظ رکھا اور ان کی خوب خوب حفاظت کی۔

جبکہ پہلی مثال ان حضرات کی ہے جنہیں "فقیہ" کہا جاتا ہے۔ جن کے قلوب کی زمین کو "طائفۃ طیبۃ" کہا گیا انہوں نے اپنے سینوں اور قلوب میں وحی الٰہی اور فرامین رسالت کی موسلا دھار بارش کو جذب کیا اور پھر اس سے ہر نوع کی سبزیات، اناج اور پھل و پھول پیدا ہوئے یعنی مسائل و احکامات کا وسیع ذخیرہ سامنے آیا جس سے اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ضروریات پوری ہوئیں۔ یہ بات کہ فقہ کی ضرورت ہے یا نہیں؟ عجیب سی بات ہے، اور ایسا سوال وہی کر سکتے ہیں جو عقل و دانش سے بے بہرہ ہیں۔

علامہ ابن خلدونؒ نے بالکل سچ کہا۔

والوقائع المتجددۃ لا توفی بہا النصوص [1]

کہ نئے نئے پیش آمدہ مسائل، جن سے روزمرہ پالا اور واسطہ پڑتا ہے ان کے لیے نصوص صریحہ ناکافی ہیں اسی کی طرف اشارہ ملتا ہے اس ارشادِ نبوی میں جس کا تعلق حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے سفر سے ہے کہ حضور علیہ السلام نے انہیں بطور قاضی وہاں بھیجتے ہوئے پوچھا کہ لوگوں کے مسائل کا حل کیونکر کرو گے؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ذریعہ، سوال تھا کہ وہاں سے بات نہ بنی تو؟ عرض گزار ہوئے آپ کے ارشادات سے رہنمائی حاصل کروں گا، پھر رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اگر اس میں بھی نہ ملے تو پھر کیا ہوگا؟ عرض کیا کہ اپنی رائے اور عقل و دانش سے کوشش و سعی کرونگا ——— اس پر نبی کریم علیہ السلام کی مسرت و خوشی دیدنی تھی، ارشاد ہوا۔

اللہ تعالیٰ کا بے پایاں شکر کہ اس نے رسول اللہ علیہ السلام کے رسول (حضرت معاذ رضی

---

[1] مقدمہ ابن خلدون ۴۴۵ مطبوعہ مصر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ عنہ کو صحیح بات کی توفیق دی۔

نبوت کی بصیرت محسوس کر رہی تھی کہ ضروریاتِ زمانہ اس موڑ پہ لوگوں کو لائیں گی۔

اور اسی طرف اشارہ کیا علامہ ابن خلدون نے، اور وہ جو حدیث میں خوشی و مسرت اور دعا کے انداز میں فرمایا گیا۔

"اُس بندہ کو اللہ تعالیٰ خوش و خرم رکھے جس نے میری بات سنی اور یاد کی پھر انہیں سنائی جنہوں نے مجھ سے براہ راست نہ سنی ——— کیوں؟ ——— بسا اوقات ایک حامل فقہ تو ہوتا ہے لیکن فقیہ نہیں ہوتا اور یوں بھی ہوتا ہے کہ حامل فقہ فقیہ ہے لیکن اعلیٰ درجہ کا نہیں، اس ذریعہ سے بات اُس تک پہنچ جائے گی جو اس فن میں اس سے ارفع اور اعلیٰ ہو گا۔"[۱]

اسی سبب سے حضرت عمر فاروق اعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا کہ لوگو! تَفَقَّهُوْا قَبْلَ اَنْ تُسَوَّدُوْا کہ سردار بننے سے پہلے تفقہ حاصل کرو[۲] اس علم و فن یعنی "فقہ" کی اس اہمیت کا اعتراف ہر کسی نے کیا ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے محدث فقہا کو "اعلم بمعانی الحدیث" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں[۳] تو محدث سلیمان بن مہران الاعمش رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں۔

اے گروہ فقہا تم طبیب ہو تو ہم پنساری[۴] امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں کہ حدیث کی معرفت اور اس میں تفقہ پیدا کرنا مجھے زیادہ محبوب ہے اس کی نسبت

---

[۱] مسند دارمی ۷۵ ج ۱

[۲] بخاری ۱۷:ج ۱

[۳] ترمذی ۱۱۸ ج ۱

[۴] جامع بیان العلم ۱۳۱ ج ۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہ محض حدیث کے الفاظ یاد کروں لے .... اور امام ولی اللہ الدہلوی رحمہ اللہ تعالیٰ قرآن و حدیث کے بعد مدار اسلام فقہ کو قرار دیتے ہیں ۲ے نواب صدیق حسن صاحب رحمہ اللہ تعالیٰ الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ میں کہتے ہیں ۔ ۳ے

لفظ حدیث کا درجہ اور ہے ۔ اور ملکہ علمیہ کا مقام اور ۔ اور امام ابوالحسن منصور بن اسمٰعیل الشافعی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تو عجیب ہی بات ایک عربی رباعی کی شکل میں کہی

عاب التفقہ قوم لا عقول لہم ۔۔۔ وما علیہ اذا عابوہ من ضرر

ما ضر شمس الضحیٰ وھی طالعۃ ۔۔۔ ان لا یری ضوءھا من لیس ذا بصر

کہ فقہ حاصل کرنے کو ان لوگوں نے معیوب قرار دیا جو عقل سے محروم ہیں اور ایسے لوگوں کے علم فقہ پر عیب لگانے سے کوئی ضرر نہیں (کیونکہ) اگر کوئی نابینا آفتاب کو جو طلوع ہو چکا ہے نہیں دیکھتا تو اس سے آفتاب کی روشنی کو کیا نقصان پہنچتا ہے ۴ے ......

ایک زمانہ میں "فقہ" سے مراد "علم الآخرۃ و معرفۃ دقائق آفات النفوس والاطلاع علی الآخرۃ و حقارۃ الدنیا" ہوتا تھا اور فقیہ "زاہد" کو کہا جاتا تھا ۔ الزاہد فی الدنیا الراغب فی الآخرۃ ۵ے لیکن بعد میں یہ اس "علم شریف" کے لیے مخصوص ہو گیا جس میں مسائل و احکام کے متعلق گفتگو کی جاتی ہے ، امام سیوطی رحمہ اللہ تعالیٰ نے ۶ے

لے منہاج السنۃ ص ۱۵۱ ج ۴

۲ے قرۃ العینین ص ۱۷۱

۳ے الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ ص ۸ مطبوعہ لاہور

۴ے طبقات سبکی ص ۱۷۳ ج ۲

۵ے کشاف اصطلاحات الفنون للتھانوی ص ۳۱ ج ۱

۶ے الاشباہ والنظائر ص ۵

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الاشباہ والنظائر میں بالکل صحیح لکھا ہے:

الفقہ معقول عن منقول۔ فقہ ایک عقلی علم ہے جو منقول (قرآن وسنت) سے حاصل کیا گیا۔ ابن نجیم مصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں

واقف ہونا، اطلاع پانا لغت پر فقہ کا معنی ہے اور شریعت میں خاص قسم کی واقفیت کا نام فقہ ہے یعنی نصوص شرعیہ کے معانی سے، ان کے اشاروں سے جن چیزوں پر وہ دلالت کریں ان سے اور ان کے مضمرات سے اور جو کچھ ان کا مقتضیٰ ہو ان سب سے واقف ہونے کا نام فقہ ہے۔ [1]

تمام مختلف النوع تعریفات سے جامع تعریف وہ ہے جسے ابن نجیم رحمہ اللہ تعالیٰ نے اسی صفحہ پر ان الفاظ سے نقل کیا۔

معرفۃ النفس مالہا وما علیہا کہ آدمی یہ جان لے کہ اسے کن چیزوں سے نفع پہنچ سکتا ہے کن سے ضرر، اور کہتے ہیں کہ عرفہ الامام، کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہی تعریف کی اور یہ قدیم ترین تعریف ہے۔

مولانا مناظر احسن گیلانی مرحوم نے اپنے ایک قلمی رسالہ بعنوان "تدوین فقہ" میں اسی تعریف کو قدیم ترین اور جامع ترین قرار دیا اور قریب قریب ایسا ہی دعویٰ دائرۃ المعارف [2] میں ہے۔ مزید تفصیل مطلوب ہو تو "محمصانی" کی فلسفہ التشریع الاسلامی" ملاحظہ فرمائیں۔

اس فن شریف کی بنیاد نصوص شرعیہ ہیں۔ اہل علم نے نصوص شرعیہ میں سے قرآن کی آیات تک گن ڈالیں جن سے مسائل فقہ مستنبط ہوتے ہیں امام غزالی قدس سرہٗ تو پانسو آیات

---

[1] بحر الرائق مصری ۶ ج ۱

[2] دائرۃ المعارف جامعہ پنجاب لاہور

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن ملا جیون رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفسیرات احمدی میں صفائی سے لکھا۔

ان المصرح فیھا المسائل مائۃ وخمسون [1]

جن آیات میں صراحت کے ساتھ احکام کا بیان ہے وہ ڈیڑھ صد ہیں اور گیلانی ہی نے ابن قیم رحمہ اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے ایسی احادیث کی تعداد پانچسو کے لگ بھگ لکھی ہے [2] ان آیات واحادیث کی روشنی میں جن لوگوں نے اتنا بڑا ذخیرہ علمی فراہم کرکے انسانیت کی ضرورتوں کو پورا کیا ان کے محسن ہونے میں کیا شبہ؟ ایسے بہت تھے لیکن جنہیں قبولِ عام کا شرف حاصل ہوا وہ معروف معنوں میں ۴ ہیں، امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہم اللہ تعالیٰ، انہی کی نسبت سے فقہ حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی معروف ومشہور ہیں بلکہ مولانا مناظر احسن گیلانی تو کہتے ہیں۔

اسلام کے ساتھ یہ غیبی امداد ہوئی کہ دین کے غیر بیناتی حصہ (ایک حصہ تو وہ ہے جو قرآن وسنت میں ۲×۲=۴ کی طرح صاف اور واضح ہے، ایک وہ جہاں استنباط کی ضرورت ہے، یہاں یہی مراد ہے) کے متعلق اگرچہ ابتدا میں بیسیوں آراء اور مسلک پیدا ہو گئے تھے اور ہر ایک کا انتساب کسی نہ کسی مجتہد اور امام ہی کی طرف تھا لیکن بتدریج ان کی تعداد کم ہوتے ہوتے یہاں تک آپہنچی کہ آج مسلمانوں کی اکثریت غالبہ میں (یعنی اہل سنت) لے دے کے صرف چار مسلکوں کا رواج باقی رہ گیا ہے اور ان میں بھی اگر سچ پوچھیں تو حنابلہ کی تعداد اتنی اقلیت میں ہے کہ شاید یہ کہنا صحیح ہوگا کہ اب اسلامی دنیا زیادہ تر صرف حنفیہ، مالکیہ اور شافعیہ پر ہی مشتمل ہے [3] لیکن افسوس کہ بعض لوگوں نے اس اختلافی کیفیت کو جس نے مسلمانوں

---

[1] تدوین فقہ، بحوالہ گیلانی، ص ۱۰

[2] ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ : ۱۱

[3] تدوین فقہ قلمی: ص ۹۶

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی ملی وحدت کو کبھی مجروح نہیں کیا ایسی ایسی رنگ آمیزی کے ساتھ پیش کیا کہ گویا یہ اختلاف شاید یہود و نصاریٰ جیسے اختلاف ہیں جو ایک دوسرے کے متعلق کہتے ہیں :

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصَارٰى عَلٰى شَيْءٍ

وَقَالَتِ النَّصَارٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَيْءٍ[1]

کہ یہود عیسائیوں کو کہتے ہیں کہ ان کے پلے کچھ نہیں اور نصاریٰ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ لاشی محض ہیں اور حقیقت سے خالی۔ حالانکہ یہ چار فقہی مسالک یا بالفاظ گیلانی تین ایسے نہیں ان کا آپس میں جو باہمی احترام اور تعلق ہے اس کا اندازہ واقعاتی طور پر ساری دنیا میں نظر آتا ہے، حنفی شافعیؒ کی اقتدا میں اور شافعی مالکی کی اقتدا میں برابر نماز پڑھ رہا ہے، ایک دوسرے سے لین دین، شادی بیاہ، ربط و ضبط سب جاری ہے محض اس حوالے سے جھگڑے کی کوئی بات نہیں ——— بلکہ شیخ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ تعالیٰ تو اور ہی نکتہ طرازی فرماتے ہیں، مولانا گیلانی جنہیں شیخ سے گہری مناسبت ہے لکھتے ہیں۔

شیخ محی الدینؒ ابن عربی نے اپنے طویل مضمون میں ان اختلافی مسائل کے متعلق یہ نقطہ پیدا کیا ہے کہ نسل انسانی میں جو سراپا محمد ستودہ صفات بنا کر پیدا کیا گیا تھا، ایسا ستودہ صفات کہ شاعر النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا مشہور نعتیہ مصرعہ فانک قد خلقت کما تشأؑ (یعنی آپ اس طرح پیدا کئے گئے جیسا کہ آپ چاہتے تھے) شعر نہیں بلکہ واقعہ اور حقیقی واقعہ تھا، ظاہر ہے کہ جو ایسا ہو اس کے ہر فعل اور ہر فعل کے ہر پہلو کو ابد تک اپنی نگاہوں کے سامنے رکھنے کے لیے اگر قدرت نے یہ کیا کہ کسی نہ کسی جماعت یا فرد کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ اسی کو وہ اختیار کرے تو محبت کا اقتضا اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے؟ شیخ کا خیال ہے کہ جو نمازوں میں رفع الیدین کرتے ہوئے

---

[1] البقرہ : ۱۱۳

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکتا اور اٹھتا ہے وہ بھی اسی کے جلوے کو اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش کر رہا ہے جیسے اللہ چاہتا ہے اور جو اس عمل کے بغیر اپنی نمازیں ادا کرتا ہے وہ بھی وہی کر رہا ہے جو اللہ تعالیٰ کا محبوب کرتا تھا[1]

حضور اکرم علیہ السلام جنہوں نے فقہ و فقیہ کی بہت تعریف کی، سب سے بڑے فقیہ خود تھے علم و دانش حذاقت و زیر کی کا جو مقام آپ کو نصیب ہوا وہ اور کس کو نصیب ہوا، آپ آفاقی دین لے کر دنیا میں آئے جس نے مشرق و مغرب کے اندھیاروں میں اجالا کرنا تھا، اس بھری پڑی دنیا کے لوگ شہروں میں رہنے والے تھے تو دیہاتوں کے رہنے والے بھی۔ سمندروں کے کنارے بسنے والے تھے تو ان سے دور بھی، اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک علیہ السلام کے دامن سے جنہیں وابستہ کیا وہ ایک جگہ کے نہ تھے، مختلف علاقوں کے تھے ان کے احوال شخصیہ مختلف تھے، ان کی استعدادیں مختلف تھیں "البینات" یعنی بنیادی حقائق کے معاملہ میں وہ سب یکساں اور متحد القول والعمل تھے لیکن "غیر بنیانی حصہ" میں "اَلدّین یسر" اور یَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوا کے تحت ایسی سہولتیں بن گئیں، اور صحابہ کے وقت سے ہی، تاکہ آنے والے دور میں امت کسی زحمت کا شکار نہ ہو۔

اختلافاتِ فقہا اور فقہی اختلاف کا بڑا چرچا ہے، قدم قدم پر لڑنے والے اہل دانش غریب فقہا پر برستے ہیں اور خوب برستے ہیں لیکن انہیں معلوم نہیں کہ ان اختلافاتِ فقہ و مجتہدین کا بڑا حصہ تو دراصل ان کے اختلافات پر مبنی ہے جنہیں محبت و رفاقت نبوی حاصل تھی۔ یہ اختلافات نسلاً بعد نسلٍ منتقل ہوئے، ابتدائی دور میں ہی ان کے متعلق را سامنے آیا، ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ طاہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے حقیقی بھتیجے حضر

---

[1] تدوین فقہ ۵۰-۹ ہم قلمی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قاسم بن محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو فقہائے سبعہ میں سے ایک ہیں، انہوں نے جواب دیا ـــــ "الموافقات" میں نقل ہے ترجمہ دیکھیں۔

نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کے صحابہ کے جو اختلافات ان کے اعمال میں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے یہ نفع پہنچایا کہ اہل اسلام میں سے جو صحابہ میں سے کسی صحابی کے طرز عمل کے مطابق عمل کرتا ہے اسے ایک گونہ اطمینان ہوتا ہے کہ وہ جو کر رہا ہے۔ وہ اپنے سے بہتر آدمی کے مطابق ہی کر رہا ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے ان اختلافات میں خیر کا یہ پہلو پیدا کر دیا، اسی سے حضور علیہ السلام کی اس حدیث کا بھی مفہوم سمجھ لیں جس میں آپ نے اپنے صحابہ کو آسمان ہدایت کے ستاروں سے تشبیہ دے کر فرمایا کہ

ان میں سے جس کے پیچھے بھی چلو گے ہدایت کی راہ پالوگے۔

آخر کو ستارے تو سبھی ہیں، روشنی اور نور تو سب میں ہے، یہ نہ سہی وہ سہی، اس لئے بقول حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر:

ان اختلافات میں سے جسے بھی اختیار کر لو تو پھر چاہیئے کہ تمہارے دلوں میں کوئی کھٹکا نہ رہے۔

صحابی کی نظیر واسوۂ موجود ہے تو پھر کھٹکا کس کا؟ پھر تو مطمئن ہو کر عمل کرو اور یقین کرو کہ تمہارے اس عمل میں جلوہ محمدی موجود ہے حضرت عمر بن عبد العزیز رحمۃ اللہ تعالیٰ کو اہل اسلام نے خلفاء راشدین کی صف میں کھڑا کیا اور انہیں ان کے دور کے علماء نے نوازا "معلم العلماء" کے خطاب سے

یہ معلم العلماء فرماتے ہیں کہ۔

ما احب ان لم یختلفوا۔ صحابہ میں اختلاف نہ ہوتا تو مجھے یہ بات پسند نہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوتی۔

پھر فرمایا ما یسرنی ان لی باختلافهم حمر النعم ان اختلافات سے مجھے اتنی خوشی ہے کہ سرخ اونٹوں سے اتنی نہ ہوتی۔

آخر وہ ان اختلافات پر اتنے خوش کیوں ہیں؟ اس کا جواب خود ہی ارشاد فرماتے ہیں۔

لانہ لو کان قولا واحدا کان الناس فی ضیق۔ ایک ہی فتویٰ ہوتا تو لوگ تنگی میں مبتلا ہو جاتے۔

اور سنن دارمی[1] صفحہ ۸۰ میں ان ہی کا قول نقل ہے۔

"اگر صحابہ ایک ہی بات پر متفق ہو جاتے تو اس بات کا ترک سنت کا ترک ہوتا اور جب وہ مختلف ہو گئے تو ان میں سے جس کے قول پر بھی عمل ہوا گویا اس نے سنت اختیار کر لی۔

جن کی نگاہوں میں وسعت نہ تھی انہوں نے انہی سے عرض کیا۔

"[2] کاش آپ لوگوں کو کسی ایک ہی مسلک و موقف پر متحد کر دیتے لیکن اس وسیع المشرب خلیفہ اور معلم العلماء نے ممالک محروسہ کے ذمہ داروں کو لکھا، دارمی اٹھا کر دیکھ لیں۔

ہر ملک کے باشندے اس کے متعلق فیصلہ کریں جس پر وہاں کے فقہا کا اتفاق ہو

---

[1] دارمی۔

[2] ایضاً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس لیے ان اختلافات کی اہمیت تھی اور بے پناہ اس میں لوگوں کے لیے وسعت آسانی
ور سہولت کا سامان موجود تھا۔ اس اختلاف کا مقصد ہوائے نفسانی نہ تھا کہ اس سے تو
خرابی لازم آتی ہے حتیٰ کہ اعتقادات تک متاثر ہوتے ہیں لیکن "غیر بنیاتی" دنیا میں بھی اسکی
اہمیت ہے۔" الشاطبی" نے انہی خلیفہ محترم کا قول نقل کیا ہے کہ انہوں نے تمام شہروں
کے ذمہ داروں کو لکھا۔

اختلافات کا جسے علم نہیں وہ فقہ کی بو بھی نہیں سونگھ سکتا۔"

اور اسی "الشاطبی" نے جناب قتادہ جیسے عالم ربانی کی بات نقل کی" جس نے اختلاف
نہیں سنے اسے عالم شمار نہ کرو" اب سنیں اس کی وجہ، اور وجہ بیان کر رہے ہیں ایوب سختیانی:

جسے علماء کے اختلافات کا زیادہ علم ہوگا وہ حکم لگانے میں جلدی نہ کرے گا۔"

کہ حکم لگا کر کسی کو کفر وفسق کی وادی میں دھکیل دینا بڑا آسان ہے لیکن مسلمان کے عقید
و ایمان اور را کی جہد عبادت کی حوصلہ افزائی بڑی مشکل ہے، اس فروعاتی دنیا میں اختلافات
کی جو کثرت نظر آتی ہے ان کا فائدہ اسی طرح سامنے آتا ہے کہ نفاذ حکم میں آسانی ہو جاتی ہے ورنہ
تو جھٹ سے حکم لگے گا۔

ایوب سختیانی رحمہ اللہ کے استاذ ابن عیلیہ فرماتے ہیں۔

فتوی میں جری وہی ہوگا جو اختلاف سے واقف نہیں۔"

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ اور ان کے بعد کے اہل دین نے اختلاف کی اس روشن سے
ناجائز فائدہ بالکل نہیں اٹھایا انہوں نے حدود کو قائم رکھا دین کے واضح اور بنیاتی حصہ میں
کوئی تاویل نہیں کی ہاں "اجتہد برائی" کی جہاں گنجائش و اجازت ملی وہاں انہوں نے
دین و تقوی کا پورا لحاظ کر کے "الدین یسر" کی جلوہ سامانیوں سے بعد والوں کے
متمتع ہونے کا سامان کیا۔ اس ضمن میں ابتداء تو ظاہر ہے صحابہ سے ہوتی ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہی کے اختلافات پر آئندہ فقہ کے اسکول قائم ہوئے، لیکن الشاطبیؒ کا کہنا ہے:

" انہوں نے انہی باتوں میں اختلاف کیا جہاں اپنی رائے سے اجتہاد کی انہیں اجازت ملی تھی یعنی جن حوادث و نوازل کے معاملہ میں کوئی صراحت نہ ملی وہاں کتاب وسنت سے استنباط کی روش اختیار کی (چونکہ ہر کسی کی استعداد یکساں نہ تھی اس لیے) اقوال آراء مختلف ہو گئے "

سچ پوچھیں تو ان اختلافات کو اہل دل واقعی رحمت سمجھتے ورنہ جب عباسی خلیفہ منصور مرحوم نے حضرت امام مالک قدس سرہ سے یہ کہا تھا کہ میں مؤطا کو سرکاری مذہب قرار دینا چاہتا ہوں تو وہ انکار فرماتے۔ شعرانی نے میزان الکبریٰ میں امام صاحب کے حوالے سے لکھا ہے

عباسی خلیفہ منصور نے حج کیا تو اس نے مجھ سے کہا کہ میں نے تو پختہ ارادہ کر لیا ہے کہ آپ نے جو کتاب لکھی اس کی نقلیں بنواؤں پھر مسلمانوں کے ہر ہر شہر میں انہیں بھجواؤں اور حکم دوں کہ لوگ انہی کے مطابق عمل کریں ان کی حدود سے متجاوز ہو کر کچھ نہ کریں "

یہ نظریہ تھا منصور عباسی کا جو غالباً اس دور کا روئے زمین کا سب سے بڑا حاکم تھا اس کے ارادے کے پورا ہونے میں کیا دیر لگتی۔ اس طرح امام مالک کی ساری دنیا میں جے ہو جاتی لیکن امام نے کہا اور پوری قوت سے:

یا امیرالمومنین لا تفعل ھذا ایسا بالکل نہ کریں۔

وجہ اس کی کیا ہے ــــ سن لیں اور غور سے، کہنے والے امام مالک ہیں جن کے مؤطا کو ساری اسلامی دنیا میں نافذ کرنے کا عزم ہے:

" مسلمانوں کے پاس دوسرے علماء کے اقوال بھی پہنچ چکے، حدیثیں وہ سن چکے روایات کرنے کی انہیں توفیق ہوئی۔ لوگوں کے پاس جو بات پہلے پہنچ چکی اس پر وہ عمل کر رہے ہیں پس ہر آبادی کے لوگ جو کر رہے ہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

انہیں وہی کرنے دیں "

خلیفہ کی سمجھ میں بات آگئی ارادہ ملتوی کر دیا لیکن چند سے بعد ہارون الرشید کا عہد آیا تو اس نے سفر حج کے زمانہ میں مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ پہنچ کرانہی امام مالک رحمۃ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی، امام خود راوی ہیں:

"کہ ہارون نے مجھ سے مشورہ کیا کہ خانہ کعبہ میں الموطا لٹکا دی جائے اور عام مسلمانوں کو اس کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت کی جائے اور انہیں اس پر آمادہ کیا جائے "

میزان الکبریٰ میں شعرانیؒ جو یہ داستان نقل کرتے ہیں، اب ان سے امام کا جواب سنیں، خلیفہ ہارون سے فرمایا۔

"میاں جی، ایسا مت کریں لاتفعل ۔کیوں؟

فان اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اختلفوا فی الفروع و تفرقوا فی البلدان وکل مصیب۔

ترجمہ: رسول اللہ کے رفقا گرامی اسلام کے فروعی مسائل میں مختلف الرائے تھے وہ حضرات مختلف آبادیوں اور شہروں میں پھیل گئے اور حق یہ ہے کہ ان میں سے ہر ایک مصیب اور درست ہے۔

ہارون الرشید نے امام کی زبان سے یہ سنا تو فرط مسرت وخوشی سے اچھل کر کہہ اٹھا کہ:

یا اباعبد اللہ وفقک اللہ اے ابو عبداللہ (امام مالک کی کنیت) اللہ تعالیٰ نے آپ کو نیک توفیق دی۔

تو جناب والا یہ ہے رویہ ائمہ گرامی کا اور یہ ہے طرز عمل اس دور سعادت کے حکمرانوں کا، اس وسعت اور "ہمہ درست" کے نظریہ کا سلسلہ کہاں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔

امام شافعیؒ مستقل امام ہیں لیکن میزان الکبریٰ میں ہے:

"امام ابو حنیفہ کے مزار پر فاتحہ وحاضری کو گئے تو نماز میں اپنے مسلک کے برخلاف قنوت چھوڑ دی اور سوال پر فرمایا کہ وہ اس کے قائل نہ تھے یہاں کیسے پڑھوں؟"

یہ اختلافات ہماری تاریخ کا حصہ ضرور ہیں لیکن ان کے سبب سر پھٹول کہیں نہیں، بلکہ شاہ ولی اللہ قدس سرہ تو فرماتے ہیں کہ:

ان اختلافات میں نفی واثبات والا قاعدہ متعلق ہی نہیں ہوتا۔

ایک سوال ہے کہ جن مسائل میں ائمہ میں اختلاف ہے، وہ اختلاف کرنے والے سبھی حق پر ہیں یا ان میں سے کوئی ایک حق پر ہے؟ عقد الجید میں اس پر مفصل بحث ہے فرماتے ہیں کہ سب حق پر ہیں" ابوالحسن اشعری سے لے کر قاضی ابوبکر باقلانی تک اور امام ابو یوسف سے لے کر امام محمد تک، نہیں بلکہ۔

ونقل عن جمهور المتكلمين من الاشاعرة والمنزلة -

ترجمہ: کہ سب کا حق کہ معتزلہ کا یہی مسلک ہے کہ اختلاف کرنے والا ہر ایک حق پر ہے۔

اور امام سفیان ثوری رحمۃ اللہ تعالیٰ تو اس کو اختلاف مانتے ہی نہیں بلکہ وہ پچھلی گفتگو کے حوالہ سے اسے وسعت وگنجائش قرار دیتے ہیں۔

لاتقولوا اختلف العلماء في كذا بل قولوا قد وسع العلماء على الامة بكذا۔

کہ ایسے نہ کہو کہ علماء نے اختلاف کیا بلکہ یوں کہو کہ علماء نے امت میں گنجائش

لے بحوالہ تدوین فقہ صفحہ ۶۹۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا کی اور ان کے لیے توسع کا راستہ اختیار کیا۔

مولانا محمد اسماعیل شہید دہلوی رحمۃ اللہ تعالیٰ جو نبیرہ ہیں حضرت حکیم الامت امام ولی اللہ دہلوی قدس سرہ کے انہوں نے کتنی اچھی بات کہی تقویۃ الایمان کے محرف نسخوں پر عمارت قائم کرنے کے بجائے "عبقات" کی ایک عبارت کا ترجمہ ذرا ملاحظہ فرمالیں :

اہل حق کا مختلف ہونا، جیسے ائمہ اربعہ کا اختلاف، یا اشعریہ اور ماتریدیہ کا اختلاف یا مختلف سلاسل وطرق میں جو اختلاف پائے جاتے ہیں یا صوفیہ میں وجودیہ وراثیہ اور شہودیہ طالبیہ کا اختلاف، ان سب اختلافات کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ ہر ایک ان میں سے اکثر مسائل میں برسرحق ہے اور ہر ایک اپنے سامنے ایک رخ رکھتا ہے جس کی طرف وہ توجہ کئے ہوئے ہے ۔۔۔ اے مسلمانو! نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت لیجانے کی کوشش کرو، آخر میں فرماتے ہیں :

فمن اتبع واحدا منهم فاز بالمقصود۔

پس ان میں سے جس کسی کی کوئی پیروی کرے گا مقصود کو پالے گا۔

اور اسی پر بس نہیں فتح المعین اور شامی جیسی ذمہ دار کتابوں میں ہے۔

لو افتی بقول مالک فی موضع الضرورة حنفی لا باس به۔

ضرورت کے وقت امام مالک کے قول کے مطابق حنفی فتویٰ دے تو حرج نہیں۔

مولانا مناظر احسن گیلانی فرماتے ہیں کہ :

اس مثال میں امام مالک کا نام محض بطور مثال ہے ورنہ مقصد یہی ہے کہ چار مجتہدوں کی فقہ دنیا میں باقی رہ گئی ہے ان سب کا یہی عالم ہے کہ ان میں سے کن کے قول پر بوقت ضرورت فتویٰ کی اجازت ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خواہ مخواہ کا انتشار مقصود نہ ہو اور ائمہ کے بارے میں بھی احتیاط برتی جانی چاہیئے کہ ان کے صحیح اقوال کا لحاظ کیا جائے

شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ ان ائمہ کے متعلق راقم ہیں:

"ان ائمہ کے جن اقوال پر اعتماد کیا جائے وہ صحیح سندوں سے مروی ہوں اور عام مشہور مستند اول کتابوں میں مدوّن ہوں نیز یہ بھی ہو کہ مختلف پہلوؤں میں جو راجح ترین پہلو ہو اس کو ترجیح دی گئی ہو بعض مقامات پر عام الفاظ کے ساتھ عندالضرورت خصوصیت کا اضافہ کیا گیا ہو اور بعض کو مقید کیا گیا ہو۔ مختلف اقوال میں تطبیق دی گئی ہو جو احکام ان سے ثابت ہوتے ہوں ان کے عدل کو بیان کیا گیا ہو۔

ولیس مذهب فی الازمنة المتاخرة بهذه العفة الاهذه المذاهب الاربعة۔

کہ ان پچھلے زمانوں میں مذکورہ بالا صفات کے ساتھ کوئی مذہب بجز مذاہب اربعہ کے موجود نہیں۔ اس ساری گفتگو کو ملاحظہ فرما لیں اور پھر دیکھیں کہ اختلافات کی رٹ لگا کر فقہ کو جس طرح بے وقعت اور بے وزن کیا جا رہا ہے اس میں صداقت و دیانت کتنی ہے؟

حضرت الامام ولی اللہ الدہلوی قدس سرہ نے اصحاب نظر کے لیے الانصاف فی بیان سبب الاختلاف کے عنوان سے جو مختصر لیکن جامع تحریر سپرد قلم کی کاش اسے ہی دیکھ لیا جاتا تو یوں اختلافات کے متعلق داستان گوئی سے احتراز ہوتا شاہ صاحب اس میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ:

تخریج اور استنباط جو فقہا کا مسلک ہے اور تتبع الفاظ حدیث جو اہل حدیث کا مسلک ہے ان دونوں کی اصل دین میں موجود ہے (خرابی کی جڑ کاٹ دی کیونکہ خرابی پیدا ہی یہاں ہوتی ہے کہ میں صحیح باقی سب غلط کی رٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگانی شروع کر دی جاتی ہے اور پھر اس پر اس بھونڈے انداز سے اصرار ہوتا ہے کہ دین سے متنفر طبائع اس ضد و فساد کو بنیاد بنا لیتی ہیں) ہر دور کے فقہائے محققین کا طریقہ یہی رہا ہے کہ وہ ان دونوں بنیادوں کا لحاظ رکھتے تھے فرق تھا تو یہ کہ کوئی ایک کی زیادہ رعایت کرتا تو کوئی دوسرے کی، پس کسی شخص کیلئے یہ مناسب و لائق نہیں کہ وہ بالکل ایک ہی طرف جھک جائے جیسا کہ آج کل دونوں فریقوں کا شیوہ بن چکا ہے۔ حق کا راستہ اور صحیح موقف یہ ہے کہ ان دونوں میں تطبیق پیدا کی جائے اور ایک سے دوسرے کے کمزور مقامات کی اصلاح کی جائے یہی تو وجہ ہے کہ حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں، اللہ رب العزت کی قسم، تمہارا راستہ حد سے بڑھنے والے اور حد تک نہ پہنچنے والے کے بیچوں بیچ ہے، پس جو اہل حدیث ہیں ان پر لازم ہے کہ اپنے مختار مسلک کو مجتہدین سلف کی رائے پر پیش کر لیا کریں۔ اسی طرح اہل رائے کو چاہیئے کہ وہ اخبار و آثار کی اتنی واقفیت ضرور رکھتے ہوں کہ کہیں کسی صحیح حدیث کی مخالفت نہ کر بیٹھیں۔ جس مسئلہ میں کوئی قابل استناد حدیث یا اثر موجود اور محفوظ ہو اس کے خلاف اپنی رائے پر عمل نہ کریں[۱]

کلیم ہند نے جہاں اختلاف کی حقیقت کو واضح کیا اور بتلایا کہ یہ مختلف شکلیں ایک ہی چشمہ صافی کی ہیں وہاں انہوں نے نصیحت آمیز انداز میں فسادی طبیعتوں کو سمجھا بھی دیا کہ احتیاط سے کام لیں۔

شاہ صاحب نے محسوس کیا کہ آج کی دنیا میں احناف اور شوافع کی کثرت

---

[۱] صفحہ ۳ عربی ایڈیشن مطبوعہ ۱۹۷ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے اور انہی کے مذاہب کو قبول عام حاصل ہے تو انہوں نے بڑی دلسوزی کے ساتھ لکھا کہ:

عالم بالا کے علوم سے جو بات اب موافقت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ ان دونوں مذاہب کو ملا کر ایک کر دیا جائے جو باتیں ان میں اور کتب احادیث میں مشترک ہوں انہیں قائم رکھا جائے جس کی کوئی اصل نہ ہو ان سے اجتناب برتا جائے پھر جو چیزیں نقد وجرح کے بعد ثابت ہو جائیں اگر وہ دونوں میں متفق علیہ ہیں تو سبحان اللہ وہ اس قابل ہیں کہ انہیں مضبوطی سے پکڑ لیا جائے لیکن اختلاف ہو تو مسئلہ میں دونوں قول تسلیم کر کے دونوں پر عمل کی صحت کا فتویٰ دیا جائے صرف کسی ایک کو صحیح اور دوسرے کو غلط نہ کہا جائے“[1]

آج کے دور میں چونکہ اختلافات کی آندھی بری طرح چل رہی ہے اس لئے ضروری ہے کہ اصل بات کو سمجھنے کی کوشش کی جائے اور دور سعادت کے مقدس اختلافات کو اپنے دور کے خود غرضانہ اختلافات سے بھونڈے انداز سے نہ ملایا جائے۔

یہ بات پہلے گذری کہ ائمہ مجتہدین کے اختلافات کا مبنی دراصل صحابہ کا اختلاف تھا صحابہ کے اختلاف کا سبب شاہ صاحب نے یہ لکھا کہ وہ حضرات مجلس نبوی کے حاضر باش تھے ان کے سامنے حضور علیہ السلام مختلف اعمال بجالائے۔ یہ لوگ آپ سے مسائل دریافت کرتے لیکن بہت کم مقدار میں، بلکہ کوشش کرتے کہ کوئی باہر سے آئے وہ پوچھے اور یہ سنیں۔ حضور علیہ السلام کے ارشادات اور آپ کے اعمال سے قرائن کی بنیاد پر صحابہ علیہم الرضوان اباحت واستحباب کا

---

[1] تفہیمات الٰہیہ صفحہ ۲۱۱-۲۱۲ جلد ا مطبوعہ حیدر آباد۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصلہ کر لیتے اور جیسا کہ پہلے گزرا آفاقی دین جسے چار دانگ عالم میں پہنچنا تھا اس کے مبلغین کی تربیت کا یہی نہج صحیح تھا کہ "البینات" یعنی بنیادی باتوں میں ان کو پلیٹ فارم پر بنیان مرصوص "کر کے رکھا جائے تو "غیر البینات" میں یسر و سہولت سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ دیا جائے ــــ رسول اکرم علیہ السلام کے بعد صحابہ چاروں طرف پھیلے، اسلام کا دائرہ وسیع ہوا، لوگ کثرت سے داخلِ اسلام ہونے لگے مسائل کی بھر مار ہوئی تو صحابہ نے قرآن و سنت کی روشنی میں جواب کی سعی کی جہاں ایسا ممکن نہ ہوا انہیں بنیاد بنا کر استخراج و استنباط کی کوشش صدق دل سے کی اس میں ان کے نتائج فکر کا اختلاف لابدی تھا لیکن چونکہ اس میں نفسانیت نہ تھی اس لیے یہ پورا سرمایہ علمی امت کی متاع قرار پایا اور آئندہ کو اس سے امت کو سہولت کی راہ ملی۔

شاہ صاحب نے کتاب کے پہلے باب میں اسی پر گفتگو کی ہے اور ان مختلف اسباب کا مثالوں کے ساتھ ذکر کیا ہے جو وجہ اختلاف بنے صحابہ سے اگلی نسل تابعیت کی تھی جنہیں ان سے محبت و رفاقت اور تعلیم و تربیت کی سعادت نصیحت ہوئی۔ اب تابعین اور اس دوسری نسل میں سے جو جن صحابی سے وابستہ ہوا اس کی چھاپ قدرتی طور پر اس پر پڑی۔

ابتدائی دور میں دو مقام ایسے تھے جہاں اس انداز سے تعلیم و تربیت کی گرم بازاری ہوئی ایک تو یہ مدینہ طیبہ تھا جو رسول اکرم علیہ السلام کا دار الہجرت اور آخری مستقر تھا۔ صحابہ کرام اپنے آقا سے استفادہ کی غرض سے چاروں طرف سے اس شہر میں ٹوٹ پڑے اور پھر بعد کی نسل ان سے شرف ملاقات کی غرض سے بھی ادھر متوجہ ہوئی۔

دوسری طرف اس دور میں کوفہ کو اہمیت حاصل ہو گئی۔ دورِ فاروقی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

دراصل یہ نیا علاقہ پھلا پھولا ۔۔ متعدد صحابہ وہاں نقل مکانی کر گئے حضرت عمرؓ نے سب سے اہم بزرگ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو وہاں بھیج کر اہل کوفہ کو توجہ دلائی کہ جس شخص کے علم و فضل کی مجھے بذات خود ضرورت تھی اس جگر کے ٹکڑے کو کاٹ کر تمہاری طرف ارسال کر رہا ہوں اب اس گوہر علم کی قدر تمہارا کام ہے۔

اغلباً فاروقی بصیرت نے اس شہر کا انتخاب اس لیے کیا کہ آئندہ عجمی فتوحات کے بعد باہمی رابطہ کا کام اسی شہر کو دینا تھا اور ہوا بھی ایسا ہی، دائیں بائیں کی اقوام سے رابطہ اور انہیں اسلامی تہذیب میں رنگنے کا کام اسی شہر سے ہوا اب جو نئے لوگ آئے اور کثرت سے آئے تو ظاہر ہے ان کے ساتھ مسائل بھی تھے ان مسائل کا حل ان حضرات کا فرض تھا۔ مدینہ منورہ کی تمدنی ضرورتیں سادہ اور سہل تھیں۔ یہاں ایک نئی تہذیب کے حملہ کا خطرہ تھا اس چیلنج کو قبول کرنا اور اس سے مسلمان کو بچانا بلکہ آگے بڑھ کر اسلام جیسے دین فطرت کو اس عقلی انداز سے پیش کرنا تاکہ عقل و درایت کی رسیا یہ قومیں مطمئن ہو کر وحدت ربانی اور عقیدۂ آخرت کی وہ حقیقت تسلیم کر لیں جسے خاتم المعصومین علیہ السلام نے پیش کی، سب سے بڑی ضرورت تھی۔

اس ضرورت نے ہی حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے جملہ "اجتہد برائی" کی حقیقت الم نشرح کی اور قرآن و سنت کے سوتوں سے استنباط و استخراج کے ذریعہ صحابہ اور تابعین کو وقت کا حملہ روک سکے۔

حالات و ماحول اور ضرورت وقتی کی جو تصویر سامنے آئی اس کے حوالہ سے دو فقہی مسلک سامنے آئے جن میں سے ایک کی نسبت و انتساب امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی طرف ہے تو دوسرے کی نسبت حضرت امام مالک رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف یہ دونوں کسی درجہ میں ایک ہی عہد کے بزرگ ہیں۔ ان کی ملاقات بھی ہوئی۔ ملاقات کی تفاصیل بھی ملتی ہیں لیکن ایک دوسرے کے معاملہ میں کسی قسم کے ناک بھوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چڑھانے کی خبر نہیں، معلوم ہوتا ہے کہ امام مالک مدینہ کے سادہ معاشرہ کی ضروتیں پوری کرنے میں منہمک تھے تو امام ابو حنیفہ عجم کے راستے سے آنے والے تمدن کے سامنے بند باندھنے اور ادھر اُدھر کے لوگوں کو مطمئن کرنے کی فکر میں تھے اور دونوں ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہو کر ہی مطمئن تھے کسی پر نکتہ چینی نہ تھی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود کے بعد سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب اپنا دار الحکومت اس شہر کوفہ کو بنایا تو ظاہر ہے کہ مسلمانوں کی تمام تر قوت اسی شہر میں منتقل ہو گئی۔ انتظامیہ سے لے کر عدلیہ اور مقننہ تک سبھی اداروں کا مرکز یہ شہر تھا اس حوالہ سے یہاں مزید مسائل کا سر اٹھانا اور مختلف النوع حالات کا پیش ہونا لازم تھا، چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ فقہ حنفی کے حدیثی مستدلات میں انہی صحابہ یعنی عبد اللہ بن مسعود سے لے کر سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی روایات، آثار و آراء اور قضایا کی تعداد زیادہ ہے، ہمارے اس موقف کی تائید مشہور محقق ڈاکٹر حمید اللہ صاحب مقیم فرانس کے اس خطبہ سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے چند سال قبل بہاولپور میں فقہ پر دیا اور واضح طور پر بتلایا کہ مسلمان قوم ابتدا میں ہی ایشیا، یورپ اور افریقہ کے تینوں ہی براعظموں میں پہنچ گئی، بیسیوں اقوام سے اس کا واسطہ پڑا، متعدد اہل مذاہب اس کی رعایا میں تھے، اس لیے نئے مسائل روز سامنے آتے اور اسے بہت غور و فکر سے کام لینا پڑتا۔

ڈاکٹر صاحب نے "کوفہ" کی اہمیت اور اس جدید علاقہ کے دروازہ کے طور پر بھی اس کا ذکر کیا ہے اور بتلایا ہے کہ وہاں موجود حضرات پر اسلام کے نظام عدل کی تشریح و ترجمانی کا زیادہ بوجھ تھا لیکن وہ اس بات کو نہیں مانتے کہ ان حضرات نے قرآن و سنت سے انحراف یا کم از کم لفظوں میں تساہل برتا اور اپنے ہی فکر و وجدان اور دانش پر ساری عمارت تعمیر کر دی۔ بلکہ انہوں نے کمال درجہ کی حذاقت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے ذخیرہ احادیث کو کھنگالا اور آنے والے دور کی مشکلات کا حل ان سے نکالا۔ اس سلسلہ کا انتساب جس بزرگ شخصیت کی طرف ہے اس کی کتاب "مسند ابی حنیفہ" حدیث کی قابل ذکر اور مستند کتاب موجود ہے پھر آپ کے شاگرد امام محمد کی موطا امام محمد ایک اور خادم مسلک امام طحاوی کی کتاب، نیز مصنف عبدالرزاق، مصنف ابن ابی شیبہ سب وہ کتابیں ہیں جن میں حنفیت کے لیے دلائل کا انبار موجود ہے۔ ڈاکٹر صاحب اپنے اس خط میں امام صاحب کی قانونی کاوشوں کو زبردست خراجِ عقیدت پیش کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کا کام ہر اعتبار سے مکمل اور مناسب تھا۔

امام صاحب کے برعکس امام مالک کی کاوشوں کی بنیاد ان صحابہ کے اقوال پر ہے جو مدینہ منورہ میں تھے لیکن یہ بات تو طے ہے کہ اہل مدینہ ہوں یا اہل کوفہ سب کا منبع تو ایک ہی تھا۔ سب نے جو لیا صحابہ سے لیا یا براہ راست سعادت رسول اکرم سے حاصل کی تو اس کے بعد یہ کہنا کیسے درست ہوگا کہ ان میں ایسا اختلاف تھا جس سے کوئی قیامت ٹوٹ پڑی۔

اگر امام مالک رحمۃ اللہ تعالےٰ پر حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کا یہ ارشاد صادق آتا ہے کہ:

وہ زمانہ قریب ہے جب لوگ اونٹوں پر سوار ہو کر علم کی جستجو میں نکلیں گے تو وہ مدینہ کے عالم سے بڑھ کر کسی کو نہ پائیں گے۔

تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالےٰ پر بھی آپ کا یہ ارشاد صادق آتا ہے کہ:

"اگر علم ثریا تک پہنچ جائے تو اہل فارس میں ایک شخص اس کو حاصل کر کے چھوڑے گا"

ان ہر دو حضرات نے صحابہ کے چشموں سے فیض حاصل کر کے امت کی سہولت و آسانی کا سامان فراہم کیا۔ ان دو حضرات کے بعد امام شافعی کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمبر آتا ہے ان کا ایک دور وہ ہے جب وہ بغداد وغیرہ میں تھے اور پھر ایک دور وہ ہے جب وہ مصر پہنچ گئے۔ فقہ و قانون کے دونوں مراکز مدینہ منورہ اور کوفہ سے بہت دور مصر کو جب امام شافعی نے اپنا مستقر بنایا تو ایک تو اس خطہ کی آب و ہوا اور مخصوص حالات کے سبب انہیں کسی حد تک نئے مسائل کا سامنا کرنا پڑا دوسرے زمانہ کے تاخیر کے اعتبار سے انہیں مختلف اطراف و بلاد کے سفر کے دوران احادیث و آثار سے بھی زیادہ آگاہی ہوئی، اس لیے انہوں نے استنباط و استخراج کے لیے نئی راہیں نکالیں بدلے ہوئے حالات ہی کا کرشمہ ہے کہ اکثر و بیشتر مسائل میں ان کا قول قدیم اور قول جدید ملتا ہے لیکن یہ ان کی صفائی باطن اور دیانت کی دلیل ہے کہ نئی بات سامنے آنے پر انہوں نے قدیم بات پر کسی طرح بھی اَڑنا اور اصرار کرنا پسند نہ کیا بلکہ پوری وسعت قلبی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی آراء پر نظر ثانی کی۔

اہل حدیث اور اصحاب رائے میں اختلاف کے اسباب پر حضرت شاہ ولی اللہ نے تفصیل سے گفتگو کی۔ اس عنوان سے ان کا یہ مقصد نہیں کہ کوئی طبقہ محض حدیث سے وابستہ ہے عقل و خرد کو کام میں نہیں لاتا اور اس کی سوچ کے سوتے خشک ہو گئے ہیں یا کوئی طبقہ محض رائے ہی کا پابند ہے اسے حدیث سے دلچسپی نہیں ایسی بات بالکل نہیں صرف غلبہ ذوق کی بات ہے اور ہمارا خیال یہ ہے کہ شرعی حدود کے اندر رہ کر غلبہ ذوق ہو تو اس میں قطعاً حرج نہیں اس میں اختلاف کا بڑا سبب وہی ہے کہ اہل مدینہ کی معاشرت سادہ اور مسائل مختصر تھے اور وہاں صحابہ بکثرت تھے تو اہل کوفہ کے سامنے حوادث و نوازل کا طوفان تھا اور مدینہ کے مقابلہ میں یہاں روایات حدیث بیان کرنے والے اس تناسب میں نہ تھے امام شافعی کو جہاں مصر کے علاقہ کے ترقی یافتہ تمدن سے واسطہ پڑا جو شروع سے شہرہ آفاق تھا وہاں صحابہ کرام کے اس طبقہ کی میراث علمی سے بھی بہرہ ور ہونے کی سعادت حاصل ہوتی جو دَورِ فاروقی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی جہاد مہم میں یا بعد میں ادھر آئے اور پھر یہیں آسودہ رحمت ہوئے ان کے آثار علمی کے وارث اس خطہ میں بکثرت تھے ان سے امام شافعی کو استفادہ کا موقعہ ملا۔ یوں حرمین شریفین سے لے کر بغداد اور ... مصر تک کے حالات اور آثار علمیہ سے استفادہ کی سہولتوں نے ان کے سامنے نئی صورت کا عکس پیش کیا رہ گئے امام احمد بن حنبل جنہیں مولانا مناظر احسن بہت قلیل دنیا کا نمائندہ کہتے ہیں لیکن حدیث میں جو بہر طور پر مسلم اور بڑھ کر ہیں۔ ان کا زمانہ خاصا مؤخر تھا اور اس وقت ذخیرہ احادیث خوب سامنے آ چکا تھا تو ان کے یہاں عقل و درایت اور قیاس کا معاملہ بہت کم ہے جس کا اندازہ ان کتابوں سے ممکن ہے جو اس فقہ کے حوالہ سے لکھی گئیں۔

شاہ صاحب نے امثلہ سے بات واضح کرتے ہوئے آخر میں وہی بات لکھی جس کا ہم پہلے حوالہ دے چکے کہ دونوں ہی طبقوں کے ذوق علمی کی اصل بہر طور دین اسلام میں موجود ہے جو اعجاز ہے اس دین کا کہ اس دنیا کو "بعیث ہر کہ و مہ" تک پہنچنا تھا اگر اس کے خدام اس طرح گنجائش وسعت بقول امام سفیان ثوری پیدا نہ کرتے تو امت بیچاری الجھن کا شکار ہو جاتی۔

آخر کو دیہاتی اور شہری کے مسائل اگرچہ جدا ہیں اور صنعت و تجارت اور زراعت و کاشتکاری کی دنیا مختلف ہے تو کیا یہ دنیا اس اختلاف کے بعد غرق آب ہو گئی؟ اگر ایک امام نے مثلاً سمندر کی ہر چیز کو حلال کہہ دیا اور کروڑوں انسان جو سمندروں کے کنارے بستے ہیں اس سے متمتع ہو رہے ہیں اور ایک دوسرے نے ماسوائے مچھلی کسی کی اجازت نہیں دی اور سمندروں سے دور بسنے والے اس پر عمل پیرا ہیں تو حرج کیا ہے اور اس میں قباحت کونسی ہے۔

یہی ایک مثال اہل دانش کے لیے کافی ہے ورنہ فقہی ذخیرہ کا تقابلی مطالعہ اور اس ضمن میں حالات و ظروف کا تجزیہ ان سب اعتراضات کو ختم کر سکتا ہے جو غریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فقہا کے اختلاف پر ہوتے ہیں اور جنہیں ملحدین زمانہ اسلام سے دوری کا بہانہ بناتے ہیں۔

بس ضرورت اس کی ہے کہ شاہ ولی اللہ کے بقول نفرت و عناد کا طریقہ نہ اپنایا جائے بلکہ باہمی ربط و تعلق ایک دوسرے کے نتائج فکر سے استفادہ اور نت نئے علمی ذخیروں سے آگاہی کا مشغلہ برابر جاری رہے کہیں اپنی کسی رائے کی غلطی ثابت ہو جائے تو اس سے رجوع کر لیا جائے تو اس سے خیر کا ہی ظہور ہوگا اور کسی قسم کی جنگ ہنسائی کا اندیشہ باقی نہ رہے گا۔ حیرت ہے کہ ائمہ مجتہدین پورے شرح صدر سے ایک دوسرے کے نتائج فکر کی قدر کرتے ان کا احترام بجا لاتے اور کسی کو بر سر غلط نہ سمجھتے لیکن بعد میں وہ رواداری اور باہمی ربط و محبت رخصت ہو گئے اور "غیر بنیاتی اختلافات" پر تلخی کی گرم بازاری ہو گئی جو کسی طرح درست اور صحیح نہیں بلکہ اس سے "بنیاتی حصہ دین" کے ضیاع کا خطرہ ہے جس کا وبال بڑا سخت ہے۔

ہماری خواہش تھی کہ شاہ صاحب کے اس گرانقدر رسالہ کا ملخص شامل مقالہ کر دیتے لیکن وقت و حالات نے اس کی اجازت نہ دی ویسے بھی وہ چھپا ہوا دستیاب ہے اور بقدر ضرورت اس سے حوالہ جات دے بھی دیے گئے ہیں اس لیے امید کرتے ہیں کہ ارباب نظر اس کو کافی سمجھیں گے اور جہاں کوئی بھول ہوئی اس سے آگاہ کر کے اجر و ثواب حاصل کریں گے۔

آج کی دنیا جس طرح سمٹ کر ایک گھر کی مانند ہو چکی ہے اور محسوس ہوتا ہے کہ گویا ہم ایک ہی گھر کے باسی ہیں، زمین کی طنابیں کھنچ چکی ہیں اور ایک طرف سے دوسری طرف آنا اور پہنچنا کوئی مسئلہ نہیں رہا، تمدنی ضرورتیں، حالات و ظروف کا رخ بدل گیا ہے ان حالات میں ضروری ہے کہ اہل فقہ و اجتہاد امام ولی اللہ قدس سرہ کے ذوق کے مطابق وسعت قلبی کا مظاہرہ کریں عظیم فقہی سرمایہ کو سامنے رکھ کر قربت کی ایسی راہیں تلاش کریں جن میں سابقہ دور کی باہمی محبت کی جھلک موجود ہو۔ ہم یہ نہیں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کہتے کہ کل دنیا ایک فقہی مکتب فکر پر متفق ہو جائے، ایسا تو خود ایک امام مجتہد امام مالکؒ نے پسند نہ کیا اور نہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ نے اس کی اجازت دی۔ بلکہ ہمارا مقصد و مدعا یہ ہے کہ زیادہ قربت کی جو شکلیں ہو سکتی ہیں وہ تو ظہور پذیر ہوں، آخر حج کے مقدس سفر میں ہر فقہی مکتب فکر علمبردار اگر اپنی اپنی الگ سوچ کے باوصف بنیادی فرض کی ادائیگی میں یکساں نظر آتے اور ایک ہی رخ چلتے ہیں تو حرمین شریفین کی مقدس فضاؤں سے باہر نکل کر ایسا کیوں نہیں ہو سکتا اور دوسرے مقامات پہ رواداری اور باہمی احترام کا جذبہ کیوں سرد پڑ جاتا ہے؟

گویا فقہی اختلافات کی آڑ میں دین کے بنیادی حصہ پہ طعنہ زنی غلط ہے تو اس غیر بنیادی حصہ میں کشمکش کی فضا اور بُعد و منافرت کا جذبہ بھی غلط ہے۔ بس دور آخر کے اس مجدد کبیر اور حکیم امت امام ولی اللہؒ کے ذوق و مسلک کو بنیاد بنا لیا جائے تو خیر ہی خیر ہوگی۔ ع بر رسولاں بلاغ باشد و بس۔

© rasailojaraid.com